بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

زیرِنظر کتابچہ اصلاً محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک خطاب پر مشتمل ہے جو انہوں نے ۲ جون ۹۱ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں حلقۂ خواتین تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام خواتین کے ایک اجتماع عام میں ارشاد فرمایا تھا۔ قبل ازیں مسلمان خواتین کے حوالے سے موصوف کی صرف ایک تالیف ''اسلام میں عورت کا مقام'' مکتبہ انجمن کے تحت شائع ہوئی تھی۔ مذکورہ بالا خطاب میں چونکہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مسلمان خواتین کی دینی ذمہ داریوں کے موضوع کا جامع انداز میں احاطہ کیا تھا، لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ اسے بھی کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ اس کتابچے کا پہلا ایڈیشن مئی ۹۲ء میں شائع ہوا۔ پچھلے سال تک اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ اب سے کوئی آٹھ ماہ قبل اغلباً اکتوبر ۹۶ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے کراچی اور ملتان میں خواتین کے اجتماعات میں اسی موضوع پر دوبارہ اظہار خیال فرمایا تو خواتین کی دینی ذمہ داریوں کو ایک نئے اور قدرے مختلف انداز میں پیش کیا اور اس موضوع کے بعض تشنہ گوشوں کی مزید وضاحت بھی کی۔ چنانچہ ضرورت محسوس ہوئی کہ زیرِنظر کتابچے کو بھی آئندہ مناسب حک و اضافہ کے ساتھ شائع کیا جائے۔ بحمد اللہ کہ زیرِنظر ایڈیشن میں اس ضرورت کو پورا کرتے ہوئے طباعت سے قبل اس میں ضروری ترامیم و اضافے کر دیئے گئے ہیں اور یوں اس کتابچے کا نظرثانی شدہ ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

۲۰ رجون ۱۹۹۷ء

مسلمان خواتین کے دینی فرائض

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم...... اما بعد:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۳ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب)...... صدق اللہ العظیم

دینی فرائض کے جامع تصور کی اہمیت

دینی فرائض کے جامع تصور کی اہمیت یہ ہے کہ اگر انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے اور میرے دین کا مجھ سے کیا مطالبہ ہے تو وہ ان دینی فرائض کی ادائیگی کے قابل نہ ہو سکے گا جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر فرائض دینی کے بارے میں ہمارا تصور ناقص یا نامکمل ہو، یعنی بعض فرائض تو معلوم ہوں اور انہیں ہم ادا بھی کر رہے ہوں، لیکن بعض فرائض کا ہمیں علم ہی نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ہم ادا نہیں کر سکیں گے۔ اس طرح اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ اگرچہ اپنی جگہ ہم یہ سمجھ رہے ہوں کہ ہم نے تو اپنے تمام فرائض ادا کیے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہاں ہمیں بتایا جائے کہ تمہاری ذمہ داریاں صرف وہی نہیں تھیں کہ جو تم نے پوری کی ہیں بلکہ مزید بھی تھیں، اور ان کے ضمن میں چونکہ ہمیں علم ہی حاصل نہیں تھا، لہٰذا ان سے متعلق ہماری کارگزاری صفر

ثابت ہواور ہم اپنے تمام تر خلوص اور محنت کے باوجود ناکام قرار پائیں۔

اس مسئلے کا ایک دوسرا رُخ بھی قابل توجہ ہے، جو خواتین کی ذمہ داریوں کے ضمن میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک دوسرا امکان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے ذمے خواہ مخواہ ایسی ذمہ داریاں لے لیں جو ہمارے دین نے ہم پر عائد نہ کی ہوں۔ یہ بات بھی اتنی ہی خطرناک، مضر اور نقصان دہ ہے جتنی کہ پہلی بات۔ کیونکہ انسان کا جذبۂ عمل بسا اوقات حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ غلط رخ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی بہت اہم مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً نیکی کا جذبہ ہی دنیا میں رہبانیت جیسے خلافِ فطرت نظام کو وجود میں لانے کا سبب بنا، جس نے بالآخر ایک برائی کی شکل اختیار کر لی اور بہت سے منکرات کو جنم دیا اور اس کے نتائج بہت ہی منفی اور خوفناک ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا یہ واقعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ تین صحابۂ کرام (j) جن پر عبادت گزاری، زہد اور تقویٰ کا بہت زیادہ غلبہ ہو گیا تھا، انہوں نے ازواجِ مطہرات 1 سے آنحضرت ﷺ کی نفلی عبادات کے متعلق پوچھا کہ آپؐ رات کو کتنی دیر تک نماز پڑھتے ہیں اور مہینے میں کتنے نفلی روزے رکھتے ہیں؟ ازواجِ مطہرات 1 نے انہیں آنحضور ﷺ کے نفلی اعمال کی جو کیفیت بتائی وہ انہیں اپنے تصور اور گمان کے مطابق بہت کم نظر آئی۔ تاہم انہوں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ ﷺ! آپؐ تو معصوم ہیں، آپؐ سے تو کسی گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کی مغفرت کا وعدہ ہو چکا، لہٰذا آپؐ کے لیے تو اتنی عبادت کفایت کرے گی، لیکن ہمارے لیے یہ کافی نہیں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک صحابیؓ نے کہا کہ میں تو ساری رات نماز پڑھا کروں گا اور اپنی پیٹھ بستر سے نہیں لگاؤں گا۔ دوسرے نے طے کیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کسی دن بھی ناغہ نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں گھر گرہستی کا کھکھیڑ مول نہیں لوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ ان کی یہ باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچیں تو آپؐ نے انہیں طلب فرما کر بڑی ناراضی کا اظہار فرمایا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟ اللہ کی قسم، میں تم میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں، لیکن میں کبھی (نفلی) روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا، اور میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور میں عورتوں سے شادیاں بھی کرتا ہوں۔ پس ''(جان لو کہ) جسے میری سنت پسند نہیں، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' یہ حدیث متفق علیہ ہے اور اسے حضرت انس بن مالک h نے روایت کیا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ:

((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ))

''پس جسے میری سنت پسند نہیں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

بہت جامع الفاظ ہیں۔ اور ان کی روشنی میں ہمیں زندگی کے ہر موڑ اور ہر گوشے میں یہ دیکھنا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل کیا تھا۔ خواتین کی دینی ذمہ داریوں کے ضمن میں ہمیں صحابیات 1 خصوصاً ازواجِ مطہرات 1 کی زندگیوں اور ان کے طرزِ عمل کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اس لیے کہ خواتین کے لیے آنحضور ﷺ کا جو اسوۂ مبارکہ ہے وہ ہم تک ازواجِ مطہرات 1 ہی کے ذریعے سے پہنچا ہے اور آپؐ نے عام طور پر صحابیات (1) کو جو بھی ہدایات دیں وہ امت کی خواتین کے لیے مشعل راہ ہیں۔

انسان جب اپنے ذمے خواہ مخواہ اپنی ذمہ داری سے بڑھ کر ذمہ داری لے لیتا ہے تو اس کے جو مضر اور منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کے لیے میں موجودہ دور سے ایک مثال پیش کر رہا ہوں۔ آج پوری دنیا میں مختلف جماعتوں اور تحریکوں کے ذریعے اسلامی انقلاب اور اقامتِ دین کے لیے ایک جدوجہد اور سعی و کوشش ہو رہی ہے۔ ایسی تحریکوں کے فکر میں بعض اوقات ایک بنیادی غلطی یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کو اپنی ذمہ داری سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کر دینا ہماری ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اپنی بھرپور کوشش اور امکان بھر سعی و جہد کریں اور

اس راستے میں اپنے تمام وسائل و ذرائع اور صلاحیتیں اور استعدادات کو صرف کر دیں۔ لیکن اگر ہم یہ سمجھ لیں گے کہ ہمیں یہ کام بہر طور کر کے رہنا ہے تو اس سے ہمارے طرزِ عمل میں یہ کجی پیدا ہو سکتی ہے کہ اگر صحیح راستے سے کام نہیں ہو پا رہا تو ہم کسی غلط راستے کو اختیار کر لیں۔ چنانچہ ذمہ داری کا یہ غلط تصور بہت سی تحریکوں کے غلط رخ پر پڑ جانے کا سبب بن گیا ہے۔ لہٰذا جہاں ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ایک مسلمان کی دینی ذمہ داریاں کیا ہیں اور ہمیں کوشش کرنی ہے کہ ان میں سے کوئی ذمہ داری ہمارے علم اور تصور سے خارج نہ رہ جائے، وہیں ہماری یہ کوشش بھی ہونی چاہیے کہ ہم خواہ مخواہ ایسی ذمہ داریاں مول نہ لے لیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر عائد نہ کی ہوں۔

''مسلمان خواتین کے دینی فرائض'' سے متعلق مجھ سے بارہا سوالات کیے گئے ہیں۔ حال ہی میں چند ایسے خطوط بھی موصول ہوئے ہیں جن میں اس موضوع سے متعلق بڑے تفصیلی سوالات کیے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان سوالات کے اس قدر شدومد سے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ایک مخصوص دینی جماعت کے حلقہ خواتین کی سرگرمیاں لوگوں کے سامنے ہیں اور بہت سی خواتین یہ جاننا چاہتی ہیں کہ یہ سرگرمیاں کس حد تک دین کے مطابق اور اس کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ اور ان میں کہیں دین کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں سے تجاوز تو نہیں ہو رہا؟ میں کوشش کروں گا کہ آج کی گفتگو میں ان تمام سوالات کے جوابات بھی آ جائیں۔ اس نشست میں میں اس موضوع سے متعلق اپنے غور و فکر کا حاصل پیش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جو بھی صحیح، معتدل، متوازن اور کتاب و سنت سے موافق ترین اور قریب ترین راستہ ہو، وہ اس کی جانب میری رہنمائی فرمائے اور مجھے اسے بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے!!

اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کے ضمن میں ایک مسلمان کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ اصول رہنا چاہیے کہ اللہ نے اس پر کون کون سی ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ جب انسان اپنی اصل ذمہ داری سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری اپنے سر لے لے تو ایک خطرہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کہیں وہ اس انجام سے دوچار نہ ہو جائے جس کا ذکر سورۃ النساء میں **نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى** کے الفاظ میں آیا ہے۔ یعنی اس نے جو راستہ خود ہی اختیار کر لیا، پھر اللہ تعالیٰ اسے اسی کے حوالے کر دیتا ہے اور پھر اللہ کی تائید اور نصرت شاملِ حال نہیں رہتی۔ چنانچہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہم پر کیا فرائض اور ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ حقوق اللہ کے ضمن میں کن حقوق کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے، اور ہمارے نفس کے وہ حقوق کون سے ہیں جو اللہ نے معین کر دیے ہیں اور وہ ہمیں ادا کرنا ہیں۔ اللہ نے اس کے لیے جو چیزیں حلال فرمائی ہیں، انہی پر ہمیں اکتفاء کرنا ہے۔ اگر ہم اپنے طبعی یا جبلی تقاضوں کی پیروی کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ ہم حلال سے آگے بڑھ کر حرام میں منہ مار لیں۔ اسی طرح انسانوں میں سے بھی جس کا جو حق اللہ نے معین کر دیا ہے، وہ ہمیں ادا کرنا ہے۔ اگر یہ اصول پیشِ نظر رہے تو راستہ سیدھا، صاف اور محفوظ رہے گا، لیکن اگر ہم نے اس میں اپنی پسند، ذوق، جذبے، خیالات اور تصورات کو اپنا امام بنا لیا تو پھر ہم خدانخواستہ ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ کا مصداق بن سکتے ہیں، اور پھر اس میں شدید اندیشہ ہے کہ آیت کے اگلے الفاظ ﴿وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ جیسے ہولناک انجام سے دوچار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے بچائے!

دینی فرائض کی تین سطحیں۔ سہ منزلہ عمارت کی تشبیہ

فرائض دین کے جامع تصور کی وضاحت کے لیے ایک سہ منزلہ عمارت کی تشبیہ ذہن میں رکھیے، جس سے واقعتاً اس جامع تصور کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اس تشبیہ کی مدد سے میں فرائض دینی کا جامع تصور پہلے عمومی الفاظ میں مردوں کے اعتبار سے بیان کروں گا۔ مجھے اس کے ایک جزو کے حوالے سے بات کرنی ہے کہ کہاں کہاں وہ فرائض مردوں کی مانند خواتین پر بھی جوں کے توں عائد ہوتے ہیں اور کہاں کہاں ان میں فرق و تفاوت ہے۔ اب آپ ایک ایسی سہ منزلہ عمارت کا نقشہ ذہن میں لائیں جو چار ستونوں پر قائم ہے۔ اس کی پہلی منزل (Ground Floor) پر صرف

یہی چار ستون نظر آتے ہیں اور کوئی دیواریں وغیرہ نہیں ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان ستونوں کے نیچے ایک بنیاد (Foundation) ہے جس کے اوپر یہ چاروں ستون کھڑے ہیں۔ ایک مناسب بلندی پر اس عمارت کی پہلی چھت موجود ہے، جس سے پہلی منزل مکمل ہوتی ہے۔ اس کے اوپر دوسری منزل ہے، جہاں پر عمارت تو ان چاروں ستونوں پر ہی قائم ہے، مگر دیواریں تعمیر ہو جانے کی وجہ سے ستون نظر نہیں آتے، بلکہ دیواروں کے اوپر دوسری چھت نظر آ رہی ہے۔ اسی طرح اس کے اوپر تیسری منزل ہے، جس کی دیواروں پر تیسری چھت نظر آ رہی ہے۔ اس عمارت کے نقشے میں ایک ترتیب اور نسبت و تناسب بھی ذہن میں قائم کر لینی چاہیے کہ بلندی کے اعتبار سے ہم اوپر سے نیچے کی طرف آئیں گے۔ یعنی تیسری منزل سب سے بلند ہے، دوسری منزل اس سے کم بلند ہے اور پہلی اس سے بھی کم۔ لیکن اہمیت کے اعتبار سے پہلی منزل سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ جب تک پہلی منزل ہی قائم نہ ہو، دوسری منزل تعمیر نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح دوسری منزل کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد ہی تیسری منزل بن سکتی ہے۔ اس عمارت میں اہم ترین شے اس کی بنیاد (Foundation) ہے، جس پر ساری عمارت کی مضبوطی کا دارومدار ہے۔ بنیاد کے بعد سب سے زیادہ اہمیت کے حامل وہ چار ستون ہیں جو اس ساری عمارت کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر یہ ستون مضبوط ہوں گے تو اوپر کی پوری عمارت بھی مضبوط ہو گی اور اگر یہ کمزور ہوں گے تو اوپر کی ساری عمارت بھی کمزور رہ جائے گی۔

یہ سہ منزلہ عمارت ہمارے دینی فرائض کے جامع تصور کی نقشہ کشی کر رہی ہے۔ اس عمارت کی بنیاد ایمان و یقین ہے، جس کی پختگی پر عمارت کی مضبوطی کا دارومدار ہے۔ یہ بنیاد جتنی مضبوط اور گہری ہوگی، اوپر کی عمارت اسی قدر مضبوط ہوگی۔ اور اگر یہ بنیاد ہی کمزور اور بودی ہے تو اوپر کی عمارت کے لیے اگرچہ بہت اچھا میٹریل استعمال کیا گیا ہو اور اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ پر بھی بہت توجہ دی گئی ہو، یہ پوری عمارت کمزور رہے گی...... اس بنیاد پر جو چار ستون قائم ہیں وہ چار اہم عبادات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو عطا فرمائیں۔ یعنی (i) نماز، (ii) روزہ، (iii) زکوٰۃ اور (iv) حج...... قرآن مجید میں نماز کے بعد ہمیشہ زکوٰۃ کا ذکر آتا ہے: ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ لیکن یہاں میں نے ان کی ترتیب اس اعتبار سے ذرا بدل دی ہے کہ ان میں سے پہلی دو عبادات یعنی نماز اور روزہ تو ہر مسلمان پر فرض ہیں، جبکہ دوسری دو عبادات یعنی زکوٰۃ اور حج صاحب استطاعت لوگوں پر فرض ہیں...... بہرحال یہ چاروں عبادات ان چار ستونوں کی مانند ہیں جن پر اس عمارت کی چھتیں کھڑی ہیں۔ پہلی چھت کو آپ اسلام، اطاعت، تقویٰ یا عبادتِ رب کا نام دے سکتے ہیں۔ یعنی اس سطح پر انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے، صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات: 56)

یعنی ”میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔“

یہ اطاعت، تقویٰ اور عبادت اپنی بلندی کو پہنچ جائیں تو یہ درجۂ احسان ہے۔ یعنی یقین کی یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ جیسے بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ تو یہ ہے اس عمارت کی پہلی چھت۔

اس کے بعد دوسری منزل یہ ہے کہ انسان اب اسی چیز کی دوسروں کو دعوت دے، اللہ کے پیغام کو عام کرے، اللہ کے کلام کو لوگوں تک پہنچانے کی سعی و جہد کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے، فریضہ ”شہادت علی الناس“ کی ادائیگی پر کمربستہ ہو، یعنی لوگوں پر حجت قائم کر دی جائے تاکہ لوگ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ پروردگار ہم تک تو تیرا حکم پہنچا ہی نہیں، تیری ہدایت ہم تک کسی نے پہنچائی ہی نہیں۔ یہ دوسری منزل ہے۔

اس عمارت کی تیسری منزل جو بلند ترین ہے، وہ ”اقامتِ دین“ کی منزل ہے۔ اسی کے لیے ”اسلامی انقلاب“ اور ”تکبیر رب“ کی اصطلاحات استعمال کی جاتی

ہیں۔یعنی اللہ کے دین کو ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے قائم اور رائج کر دیا جائے اور اللہ کی کبریائی کا نظام بالفعل قائم ہو جائے، جیسے حدیث میں فرمایا گیا:

((لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا))

’’تاکہ اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند ہو جائے۔‘‘

تمام جھنڈے نیچے اور اللہ کا جھنڈا سب سے اونچا ہو جائے، تمام باتیں نیچی اور اللہ کی بات سب سے اونچی ہو جائے۔ اللہ کا حکم ہر سطح پر جاری و ساری ہو جائے۔ پارلیمنٹ میں بھی اسی کا حکم چل رہا ہو اور سپریم کورٹ میں بھی اسی کے قانون کے مطابق فیصلے ہو رہے ہیں۔ غرضیکہ پورا نظام اس کے تابع ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے محنت، کوشش، جدوجہد، ایثار، مال خرچ کرنا، جان کھپانا اور اس راہ میں جہاد و قتال کے مراحل طے کرنا، یہاں تک کہ اپنی جان کی بازی لگا دینا تیسری اور بلند ترین منزل ہے۔

مرد و عورت کے دینی فرائض میں فرق و تفاوت

(i) پہلی منزل: قریباً یکساں ذمہ داریاں

کوئی بھی مرد یا عورت جو کسی اسلامی تحریک سے وابستہ ہے، اسے ان باتوں سے کما حقہٗ واقف ہونا چاہیے۔ البتہ ذمہ داریوں کے اعتبار سے مرد اور عورت میں جو فرق و تفاوت ہے وہ میں بیان کیے دیتا ہوں۔ دینی فرائض کے جامع تصور کی جو عمارت ہمارے پیش نظر ہے اس کی پہلی منزل بنیاد کے علاوہ چار ستونوں اور پہلی چھت پر مشتمل ہے۔ بنیاد اگرچہ عمارت شمار نہیں ہوتی، لیکن اہمیت کے اعتبار سے وہ سب سے بڑھ کر ہے۔ اس پہلی منزل کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سطح پر عورتوں اور مردوں کے فرائض یکساں ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ بہت ہی معمولی ہے۔ ایمان ہر مرد و عورت کی نجات کے لیے لازم ہے۔ سورۃ العصر اور سورۃ التین میں ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کے الفاظ عمومی نوعیت کے ہیں اور ان میں مرد و عورت کی کوئی تفریق نہیں۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۲۴ میں صراحت کے ساتھ فرما دیا گیا کہ جو کوئی بھی عمل صالح کی روش اختیار کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہو، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے! گویا ایمان ہر مسلمان مرد و عورت کا فرضِ اوّلین ہے۔ اس کے بعد نماز ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔ اسی طرح روزہ بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی جس طرح صاحب نصاب مردوں پر فرض ہے اسی طرح صاحب نصاب عورتوں پر بھی فرض ہے۔ حج کے لیے زادِ راہ میسر ہو تو یہ بھی مسلمان مرد و عورت دونوں پر فرض ہے، البتہ اس کے لیے عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ اللہ کے تمام احکامات اور اس کی طرف سے عائد ہوں کردہ حلال و حرام کی پابندیاں مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہیں۔ الغرض اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور بنیادی فرائض کی ادائیگی دونوں کے ذمہ ہے۔ یہ تمام چیزیں دونوں میں مشترک ہیں۔

اس ضمن میں مرد و عورت کے فرائض میں جو معمولی سا فرق ہے، اس کے لیے میں آپ کے سامنے نماز کی مثال رکھ رہا ہوں۔ مردوں کے لیے حکم ہے کہ وہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کریں، اِلاّ یہ کہ کوئی عذر ہو، جبکہ خواتین کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان کے لیے فرمایا گیا ہے کہ عورت کی نماز مسجد کے مقابلے میں اپنے گھر میں افضل ہے۔ گھر میں بھی صحن کے مقابلے میں دالان میں، اور دالان کے مقابلے میں کسی کمرے کے اندر افضل ہے، اور کمرے کے اندر بھی اگر کوئی کوٹھڑی ہے (جیسا کہ پہلے زمانے میں بنائی جاتی تھیں) تو اس میں نماز ادا کرنا افضل ترین ہے۔ البتہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں استثناء رہا ہے۔ اس لیے کہ اُس زمانے میں تعلیم و تلقین کے اور ذرائع نہیں تھے۔ نہ کتابیں اور رسالے تھے، نہ ہی کیسٹس تھیں۔ لہٰذا عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے ساتھ جو خطبہ ہے وہی تعلیم کا واحد ذریعہ تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے خواتین کو ان خطبات میں شرکت کی ترغیب دی کہ وہ ضرور شرکت کریں، تاکہ وہ تعلیم و تلقین سے محروم نہ رہ جائیں۔ دَورِ نبویؐ میں خواتین کو نماز کے لیے اگرچہ مسجد میں آنے کی بھی اجازت تھی،

تاہم انہیں ترغیب یہی دی گئی کہ اپنے گھروں میں نماز کی ادائیگی ان کے لیے افضل ہے اور گھر کے مخفی ترین حصہ میں نماز کا اجر وثواب مزید بڑھ جائے گا۔

بہر حال اس پہلی منزل تک مسلمان مرد وعورت کے فرائض میں کوئی بڑا فرق قطعاً نہیں ہے اور ان ذمہ داریوں میں مسلمان مرد وعورت دونوں یکساں ہیں۔ اس ضمن میں سورۃ الاحزاب کی تین آیات ملاحظہ ہوں۔ ان آیات میں ازواجِ مطہرات سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت کا تعلق ایمان کی تحصیل سے ہے، جو مرد وعورت دونوں کا اوّلین فرض ہے۔ حقیقی یا شعوری ایمان کا منبع و سرچشمہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے۔ چنانچہ اس کے پڑھنے پڑھانے، سیکھنے، سکھانے، اس پر غور و تدبر اور اس کی تلاوت سے انسان کے اندر ایمان پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں فرمایا گیا:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۟﴾

"اور ذکر کرتی رہا کرو ان چیزوں کا جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت میں سے تلاوت کی جا رہی ہوں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت ہی باریک بین اور باخبر ہے۔"

یہ آنحضور ﷺ کی ازواجِ مطہراتؓ سے خطاب ہے، جن کے گھروں میں وحی نازل ہوتی تھی اور حضورؐ وہاں قرآن حکیم کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور حکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ حکمت کا سب سے بڑا خزانہ بھی خود قرآن حکیم ہے۔ مزید برآں آپؐ احادیث کی صورت میں قرآن حکیم کی وضاحت فرماتے تھے تو احادیثِ نبویہ بھی دراصل حکمت کے عظیم موتی ہیں۔ گویا ان آیات میں سب سے پہلا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ قرآن و حدیث کا تذکرہ، مذاکرہ، ان کی درس و تدریس، ان کا پڑھنا پڑھانا اور سیکھنا سکھانا ہے۔ اس لیے کہ ایمان کا دارومدار اسی پر ہے، اسی سے یقین کی دولت ملے گی، اسی سے ہمارے ایمان میں گیرائی اور گہرائی پیدا ہوگی اور اسی سے ایمان میں استحکام اور پختگی پیدا ہوگی۔ لہٰذا یہ پہلا کام ہے جو ہر عورت کو کرنا ہے اور ہر ایک کو اسے اپنی اوّلین ذمہ داری سمجھنا چاہئے۔ ہم اگر اس کی فکر نہیں کریں گے اور دعوت وتبلیغ میں لگ جائیں گے تو یہ بھی درحقیقت ترتیب کے اعتبار سے بات غلط ہو جائے گی۔ ترتیب کے اعتبار سے ہر مسلمان مرد اور عورت کو اپنا پہلا فرض یہ سمجھنا چاہئے کہ اسے اپنے ایمان کو مستحکم کرنا ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ گہرائی پیدا کرنی ہے اور زیادہ سے زیادہ شعور کا عنصر شامل کرنا ہے۔ مرد یا عورت ہونے کے اعتبار سے اس میں کوئی فرق وتفاوت نہیں ہے۔

اب اگلی آیت کی طرف آئیے۔ وہ صفات جو اسلام مسلمان مرد وعورت سے طلب کرتا ہے انہیں قرآن مجید میں عام طور پر مذکر کے صیغوں میں بیان کر دیا جاتا ہے، اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ بر سبیل تغلیب ایک بات جب مردوں کے بارے میں بیان کر دی جائے تو عورتوں کے بارے میں وہ از خود بیان ہو جاتی ہے۔ لیکن اس مقام پر ایک لفظ کو خاص طور پر دہرا دہرا کر مردوں اور عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ لایا گیا، تاکہ واضح ہو جائے کہ ان اوصاف اور خصوصیات کے اعتبار سے مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۟﴾

"یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، راست باز و راست گو مرد اور راست باز و راست گو عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی

عورتیں، اپنی شرمگاہوں (اور عفت وعصمت) کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے۔‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں دس صفات مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ دہرا کر بیان کی گئی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ

’’مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔‘‘

یعنی اللہ کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینے والے مرد اور عورتیں۔

(۲) الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

’’اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں۔‘‘

یعنی اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی نازل کردہ کتابوں، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں اور آخرت پر ایمان رکھنے والے مرد اور عورتیں۔

(۳) الْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ

’’فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں۔‘‘

جب کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے دست بستہ جھک کر کھڑا ہوتا تھا کہ جیسے ہی کوئی حکم ملے اسے بجالائے، تو اس کی یہ حالت ’’قنوت‘‘ کہلاتی تھی۔ نماز میں دعائے قنوت وہ دعا ہے جو کھڑے ہو کر مانگی جاتی ہے، ورنہ عام طور پر دعائیں قعدہ میں تشہد اور درود شریف کے بعد بیٹھ کر ہی مانگی جاتی ہیں۔

(۴) الصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ

’’راست باز و راست گو مرد اور راست باز و راست گو عورتیں۔‘‘

جو بات کے بھی سچے ہوں اور عمل کے لحاظ سے بھی سچے ہوں۔

(۵) الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ

’’صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔‘‘

صبر معصیت پر بھی ہے کہ گناہ سے خود کو روکا جائے۔ صبر اطاعت پر بھی ہے کہ جو حکم بھی ملے اسے بجالایا جائے۔ مثلاً چاہے شدید سردی ہے اور گرم پانی میسر نہیں ہے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی جائے۔ اس لیے کہ نماز فرض ہے اور اس کے لیے وضو شرط ہے۔ پھر یہ کہ اسلام پر چلنے میں جو تکالیف اور مشکلات پیش آئیں انہیں برداشت کرنا بھی صبر ہے۔

(۶) الْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ

’’عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔‘‘

یعنی اللہ کے سامنے عجز کا اظہار کرنے والے اور اس کے آگے جھک جانے والے مرد اور عورتیں۔ ’’خشوع‘‘ جھکاؤ یا فرمانبرداری کی کیفیت کو کہتے ہیں۔

(۷) الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ

’’صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ و خیرات کرنے والی عورتیں۔‘‘

یعنی جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنا پیٹ کاٹ کر دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔ صدقہ وخیرات میں زکوٰۃ بھی شامل ہے جو ہر صاحب نصاب پر فرض ہے، اور دیگر نفلی صدقات بھی!

(۸) الصّٰٓئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ

’’روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔‘‘

نوٹ کیجیے کہ ان صفات میں ایمان کے علاوہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے ارکان اسلام بھی آگئے ہیں۔

(۹) الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ

"اپنی شرمگاہوں (اور عصمت وعفت) کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔"

عفت وعصمت کی حفاظت مرد اور عورت دونوں کے لیے ضروری ہے اور اس ضمن میں اسلام دونوں پر یکساں پابندیاں عائد کرتا ہوں۔

(۱۰) الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ

"اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور (اللہ کا کثرت سے) ذکر کرنے والی عورتیں۔"

اگلی آیت میں آخری بات دوٹوک انداز میں بیان فرما دی گئی جو اس پہلی منزل کا خلاصہ اور لب لباب ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

"اور کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ (ان کے بارے میں) کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر بھی ان کے پاس اس بات میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

یعنی مسلمان اور مؤمن مردوں اور عورتوں کا طرزِ عمل تو یہ ہوتا ہے کہ جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم یا فیصلہ آ گیا تو اب ان کے اپنے انتخاب یا اختیار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور اگر کوئی اس کے برعکس رویہ اختیار کرتا ہے تو یہی معصیت اور نافرمانی ہے اور حقیقت کے اعتبار سے کفر ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی روش اختیار کریں گے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، تو وہ پھر بڑی صریح گمراہی کے اندر مبتلا ہو گئے۔ یہ گویا کہ اسلام، اطاعت اور عبادت کا لب لباب ہے۔ اسلام کیا ہے؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا! اطاعت کیا ہے؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری! عبادت کیا ہے؟ ہمہ تن اور ہمہ وقت اللہ ہی کا بندہ بن جانا!! ان تمام چیزوں میں کانٹے کی بات یہ ہے کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم آ گیا وہاں ہمارا اختیار ختم! ہاں اگر کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا واضح حکم موجود نہیں تو گویا کہ اللہ نے ہمیں یہ اختیار دے دیا ہے کہ یہاں ہم اپنی مرضی، فہم، ذوق اور مزاج کے مطابق معاملہ طے کر لیں۔ لیکن جہاں دوٹوک حکم آ چکا ہو **اذا قضی اللہ ورسولہ امرا** پھر بھی انسان یہ سمجھے کہ میرے پاس کوئی اختیار یا **Option** ہے تو یہ گویا کہ اسلام اور ایمان کے منافی بات ہوگی۔

یہ پہلی منزل ہے، جہاں پر دینی ذمہ داریوں کے اعتبار سے مرد و عورت میں بہت معمولی فرق ہے۔ لیکن جیسے جیسے ہم اوپر چلتے جائیں گے، یہ فرق بڑھتا چلا جائے گا۔ پہلی منزل پر یہ فرق بہت تھوڑا ہے، دوسری منزل پر بہت نمایاں ہے، جبکہ تیسری منزل پر جا کر یہ فرق بہت بڑھ جائے گا۔ ہمیں اس فرق کی اساس کو سمجھ لینا چاہیے۔ اسلام شرم وحیا اور عصمت وعفت کی انتہائی اہمیت بیان کرتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ معاشرے میں ان چیزوں کی خوب حفاظت ہو۔ یہی وہ اصول اور مقصد ہے جس کے تحت ستر وحجاب اور لباس کے احکام دیئے گئے اور اس معاملے میں مرد و عورت کے مابین فرق رکھا گیا۔ حجاب اور پردے کے احکامات خالص عورتوں کے لیے ہیں اور ان میں بھی محرم اور نامحرم کا فرق روا رکھا گیا ہے۔ سورۂ نور میں اس ضمن میں ایک طویل آیت وارد ہوئی ہے۔ بہرحال یہ ایک مکمل مضمون ہے جس پر میری ایک کتاب "اسلام میں عورت کا مقام" کے عنوان سے موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر مولانا مودودیؒ کی کتاب "پردہ" بڑی معرکۃ الآراء کتاب ہے۔ اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی کتاب

’’پاکستانی عورت دوراہے پر‘‘ بھی ایک عمدہ کتاب ہے۔ اِس وقت ستر وحجاب کی بنیاد پر اس فرق وتفاوت کو واضح کرنا مقصود ہے کہ دینی فرائض کی اوپر کی جو دو منزلیں ہیں‘ ان میں مرد وعورت کے مابین جو فرق وتفاوت ہے وہ اصلاً اسی بنیاد پر ہے کہ معاشرے میں شرم وحیا کا ماحول برقرار رہے، اور عصمت وعفت اور پاک دامنی کی پوری پوری حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔

پہلی منزل پر بھی جو فرق ہے وہ اسی بنیاد پر ہے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مردوں اور عورتوں کے مابین بلاضرورت کوئی اختلاط یا آپس میں ملنا جلنا ہو۔ چنانچہ اسلام دونوں کے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار قائم کرتا ہے اور دونوں کی ذمہ داریاں اور فرائض کا علیحدہ علیحدہ تعین کرتا ہے۔ نماز کے ضمن میں آخر یہ فرق کیوں کیا گیا کہ مردوں کی نماز گھر کی نسبت مسجد میں افضل ہے، جبکہ عورت کی نماز گھر کے اندر اور گھر کی بھی اندرونی کوٹھڑی میں زیادہ افضل ہے اور مسجد میں ان کی آمد پسندیدہ نہیں ہے؟ اس کا سبب یہی ہے کہ اس میں اختلاط کا ایک امکان پیدا ہوتا ہے۔ راستہ چلتے، مسجد کو آتے جاتے مردوں سے مڈبھیڑ ہوسکتی ہے۔ مسجد کے اندر بھی خواہ کتنا ہی اہتمام کرلیا جائے مگر اس کا اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں کوئی بے حجابی کی کیفیت نہ پیدا ہوجائے یا کسی نامحرم کی نظر نہ پڑ جائے۔ انہی احتمالات کی وجہ سے پہلی منزل پر بھی باریک سا فرق واقع ہوگیا، جو میں بیان کرچکا ہوں۔

(ii) دوسری منزل: دعوت وتبلیغ کے تین دائرے

یہ فرق جب آگے بڑھے گا تو بہت زیادہ نمایاں ہوجائے گا۔ مثلاً دوسری منزل پر دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ہے...... اس کے ضمن میں ہمارے دین نے جو عام ترتیب سکھائی ہے وہ یہ ہے کہ (الأقربُ فالأقرب) کے اصول پر اصلاح کا کام پہلے اپنے آپ سے شروع کیا جائے، پھر گھر والوں کی اصلاح کی فکر کی جائے اور اس کے بعد دوسرے لوگوں پر دعوت وتبلیغ کا کام کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص سات سمندر پار جا کر تبلیغ کر رہا ہو، جبکہ اس کے اپنے گھر میں دین کا معاملہ تسلی بخش نہ ہو تو یہ درحقیقت غلط ترتیب ہے، جس کی وجہ سے وہ برکات ظاہر نہیں ہوتیں جو نبی اکرمﷺ اور صحابہ کرامؓ کی تبلیغ سے ظاہر ہوئیں۔

اب اس ترتیب کو سامنے رکھیں تو ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خواتین کے لیے دعوت، تبلیغ، نصیحت اور اصلاح کا اوّلین دائرہ ان کا اپنا گھر ہے۔ ان کے اپنے بچوں کی تعلیم، ترتیب اور اصلاح کلیتاً ان کی ذمہ داری ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر خواتین کا حلقہ اور اس سے مزید آگے محرم مردوں کا حلقہ آئے گا۔ بس ان تین حلقوں میں خواتین کو دعوت وتبلیغ کے فرائض سر انجام دینے ہیں۔ سب سے پہلے حلقے کے بارے میں سورۃ التحریم میں ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ! اس ضمن میں رسول اللہﷺ کی یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو یہ فرماتے سنا:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ))

’’تم میں سے ہر شخص گلہ بان ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنے گلے کے بارے میں جوابدہ ہے۔‘‘

یعنی جس طرح ہر چرواہے کی ذمہ داری میں کچھ بھیڑ بکریوں پر مشتمل ایک گلہ ہوتا ہے اور وہ چرواہا گھر سے اس گلے کو لے جانے اور بحفاظت واپس لانے کا ذمہ دار ہوتا ہے، اسی طرح ہر شخص کی حیثیت ایک گلے بان کی سی ہے اور جو کچھ اس کے چارج میں ہے، وہ اس کے بارے میں مسؤل اور ذمہ دار ہے۔ چنانچہ آنحضورﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي اَهْلِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ))

’’اور آدمی اپنے گھر والوں پر نگران ہے، اور وہ اپنی اس رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔‘‘

یعنی اس سے اللہ کے ہاں یہ پوچھا جائے گا کہ اس پر اس کے گھر والوں کی اصلاح وتربیت اور دوسرے حقوق کی ادائیگی کی جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی وہ اس نے

کس حد تک ادا کی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا:

وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ فِی بَیْتِ زَوْجِھَا وَ مَسْؤُوْلَۃٌ عَنْ رَعِیَّتِھَا.

''اور عورت اپنے شوہر کے گھر پر نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

اور ظاہر بات ہے کہ اس کی رعیت میں اس کی اولاد اس کا مصداق اوّل ہے اور ایک روایت میں تو الفاظ ہی یہ آئے ہیں۔

((وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْؤُوْلَۃٌ عَنْھُمْ))

''اور عورت اپنے شوہر کے اہل خانہ اور اس کی اولاد پر نگران ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔''

یعنی اس کے دیگر افرادِ خانہ اور باندیاں اور غلام وغیرہ بھی اس کی نگرانی اور ذمہ داری میں ہوں گے، مگر اصل ذمہ داری اولاد کی ہے۔ (یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے اور ذرا سے لفظی اختلاف کے ساتھ اسے مسلم، ترمذی اور ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔)

یہ معاملہ واقعتاً نہایت اہم ہے، کیونکہ اگر ہم غور کریں تو کسی بھی قوم کا مستقبل اس کی آئندہ نسل سے وابستہ ہے اور آئندہ نسل کا سارا بوجھ اللہ تعالیٰ نے عورت پر ڈالا ہے۔ اس کی پیدائش کے علاوہ اس کی پرورش کا بھی اصل بوجھ عورت ہی پر ہے۔ وہی تو ہے کہ جو بچوں کی پرورش کی خاطر سب سے بڑھ کر اپنی نیندیں حرام کرتی ہے اور اپنے آرام کی قربانی دیتی ہے۔ پھر ان کی تعلیم کی اوّلین ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی ہے۔ بچے کی سب سے پہلی تعلیم گاہ درحقیقت ماں کی گود ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال مسلمان ماں کے بارے میں کہتے ہیں:

ع آسیا گرداں و لب قرآں سرا

اور یہ نقشہ ہم نے بچپن میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ خواتین بچے کو دودھ پلاتے ہوئے قرآن بھی پڑھ رہی ہیں اور ساتھ ہی چکی بھی چلا رہی ہیں۔ اور بچے کو گود میں لے کر ماں جب قرآن پڑھتی ہے تو بچہ اسے سنتا ہے۔ یہ چیزیں غیر محسوس طریقے سے منتقل ہوتی ہیں۔ آخر ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بچہ جب پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی اثر تو لازماً ہوتا ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہمیں کوئی حکم دیا گیا ہو اور اس کی کوئی افادیت یا علت نہ ہو۔ بچہ بے شعور سہی، مگر آپ کو معلوم ہے کہ ٹیپ ریکارڈر میں چلنے والی کیسٹ بھی بے شعور ہوتی ہے، لیکن جو کچھ ہم بولتے ہیں اس کے اثرات اس پر ثبت ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ نظر نہیں آتے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بچے کے تحت الشعور کے اندر بھی کوئی ہو، جس پر اذان اور اقامت کی آواز اپنے اثرات مرتب کرتی ہو۔ اسی طرح اگر ایک ماں اپنے بچے کو گود میں لیے بیٹھی ہو، اس کے ہاتھ چکی چلا رہے ہوں اور ہونٹ قرآن کی تلاوت کر رہے ہوں تو ممکن نہیں کہ اس قرآن کے اثرات بچے کی شخصیت پر نہ پڑیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے:

ع کہ در آغوش شبیرے بگیری!

کہ ایسی خواتین کی گود کے اندر حضرت حسینh اور حضرت حسنh جیسے پھول کھلیں گے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ.

''علم حاصل کرو، ماں کی گود سے لے کر قبر تک۔''

''مہد'' ماں کی گود کو کہتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ بچے کی تعلیم کا نقطۂ آغاز یہی ہے۔ تو خواتین کی سب سے بڑی ذمہ داری اپنی اولاد کی تربیت ہے، اور ان کی سب سے کڑی مسؤلیت اولاد ہی کے بارے میں ہوگی۔ لہٰذا اس اہم ذمہ داری کی قیمت (Cost) پر، یعنی اس کو نظر انداز کرتے ہوئے یا اس میں کوتاہی کرتے ہوئے کوئی اور کام کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دے کہ اولاد کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد بھی وقت بچ رہا ہو تو پھر انہیں مزید محنت کرنی چاہیے۔ خاص طور پر جوان خواتین، جن کے بچے ابھی چھوٹے ہوں اور اولاد کی

پیدائش کا سلسلہ ابھی جاری ہو آج کے دور میں ان کی ذمہ داریاں اتنی کٹھن ہیں کہ انہیں پورا کرنے کے بعد بہت کم وقت بچتا ہے۔لیکن جو بھی وقت بچے وہ اسے صرف کریں، اپنے آرام کی قربانی دیں اور دوسرے قریبی حلقوں میں دعوت کا کام کریں، جیسا کہ میں بعد میں عرض کروں گا۔لیکن اس کی خاطر اولاد کو نظر انداز کرنا قطعاً جائز نہیں۔

ہمارے ہاں جو یہ ہو رہا ہے کہ سات سمندر پار تبلیغ ہو رہی ہے اور اپنے گھر والوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے تو یہ اس قسم کا طرزِ عمل ہے جس کے بارے میں سورۃ البقرہ کے پانچویں رکوع میں آیا ہے:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ آیت: 44)

”کیا تم لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟“

اپنی اولاد کی طرف سے عدم توجہی اور لاپرواہی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی تربیت صحیح طور پر نہیں ہو پاتی اور لامحالہ ماحول کے اثرات ان پر مرتب ہو کر رہتے ہیں اور ان کی ذہنیت وخیالات معاشرے کے رنگ سے لازماً متأثر ہوتے ہیں۔اور آج کا بچہ تو الحاد، کفر، بے حیائی اور عریانی، ان سب عفریتوں کی زد میں ہے۔ٹی وی اس کے سامنے ہے، اخبارات اس کے اردگرد ہیں اور وہ ان کی یلغار کی زد میں ہے۔جس طرح امریکہ نے عراق پر وحشیانہ انداز میں بمباری کی ہے، اسی طرح ہمارے بچے الحاد اور بے حیائی کی بمباری کی زد میں ہیں۔اب اگر ان کی ذمہ داریوں سے اعراض کیا جائے اور گھروں سے باہر نکل کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا جا رہا ہو، تو یہ ترتیب کو الٹا کر دینے والی بات ہے۔

جہاں تک دوسرے دائرے یعنی گھر سے باہر نکل کر دوسری خواتین میں دعوت و تبلیغ اور درس وتدریس کا تعلق ہے تو میرے خیال میں اس کے لیے منظم کوشش وقت کی اہم ضرورت ہے۔البتہ اس کے لیے ایسی خواتین کو زیادہ فعال ہونا چاہئے جو ادھیڑ عمر کی ہیں، اور ان کے لیے حجاب کے احکامات میں بھی وہ شدت نہیں ہے۔ بڑی عمر کی خواتین کے لیے سورۃ النور میں فرمایا گیا:

﴿لَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ﴾ (آیت: 40)

کہ ”ان پر کوئی حرج نہیں اگر وہ اپنی چادریں اتار کر رکھ بھی دیا کریں! یعنی ستر کی شدت تو برقرار رہے گی مگر پردے اور حجاب کے ضمن میں ان پر اب وہ شدید پابندیاں نہیں ہیں جو ایک نوجوان عورت پر ہیں۔لیکن ہمارے معاشرے میں عملاً جو صورت حال ہے، وہ ایک برعکس نقطۂ نظر کی غمازی کرتی ہے۔ہوتا یہ ہے کہ جو خواتین شروع ہی سے گھر میں رہنے کی عادی ہوتی ہیں اور حکم قرآنی:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ (احزاب: 33)

”اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔“

پر عامل ہوتی ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بجا طور پر پردے کی بھی خوگر ہوتی ہیں تو ایسی خواتین خواہ بڑھاپے کی سرحد پر پہنچ چکی ہوں، ان کی ایک طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے کہ پھر ان کی طبیعت کہیں بھی نکلنے پر آمادہ نہیں ہوتی، چاہے شریعت کی طرف سے اب پابندیاں ہلکی ہو رہی ہیں۔یہ اس تصویر کا بالکل دوسرا رخ ہے۔میرے نزدیک اس معاملے میں حساسیت کو کم کر دینا چاہئے اور ایسی خواتین کے پاس اگر وقت فارغ ہو تو انہیں دین کے کاموں میں زیادہ ہچکچانا نہیں چاہئے۔طویل سفر کے لیے تو ظاہر ہے کہ محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے، مگر شہروں کے اندر اگر خواتین کے اپنے حلقوں میں درس وتدریس کے لیے نقل وحرکت ہو رہی ہو، تو انہیں اپنی تمام احتیاطات کے ساتھ ان دینی امور میں ضرور حصہ لینا چاہئے۔ جہاں تک جوان لڑکیوں کا تعلق ہے، ان کے لیے اس میں بھی بڑے خطرات ہیں۔میرے نزدیک اس معاشرے میں ان کا اکیلے باہر نکلنا سرے سے جائز نہیں۔بنابریں وہ خواتین جن پر اولاد وغیرہ کی ذمہ داریاں نہ ہوں، یا اس ضمن میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد بھی ان کے پاس وقت فارغ ہو تو وہ ستر وحجاب کی پوری پابندی کرتے ہوئے ان سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہیں، بشرطیکہ جب باہر نکلیں تو محرم ساتھ ہو۔میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہم جس معاشرتی طوفان سے دوچار ہیں، اس میں

جب تک کوئی منظّم کوشش نہیں ہوگی، اثرات کا نکلنا اور ظاہر ہونا بعید از قیاس ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ خوتین اگر اپنا حلقہ منظّم کریں، ان کے اپنے اجتماعات اور کلاسز کا نظام قائم ہو، جن میں تعلیم وتعلم قرآن اور عربی زبان کی درس وتدریس کے علاوہ دعوت وتبلیغ اور تذکیر وتلقین کا اہتمام ہو تو یہ یقیناً مطلوب ہے۔

خواتین کی تعلیمی وتربیتی اور دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کا تیسرا حلقہ ان کے محرم مردوں پر مشتمل ہے۔ یعنی ان کے بھائی، والد، چچا، ماموں بھتیجے اور بھانجے وغیرہ۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ شوہر کے بھتیجے، بھانجے محرم نہیں، نامحرم ہیں۔ عورت کا محرم وہ ہے جس سے اس کی شادی کبھی بھی نہیں ہوسکتی، جبکہ شوہر کی وفات کے بعد شوہر کے بھتیجے یا بھانجے سے نکاح ہوسکتا ہے، لہٰذا وہ نامحرم ہیں۔ تو محرم مردوں میں دعوت واصلاح کا کام بھی ہونا چاہئے۔ اس لیے کہ ایسا اکثر دیکھنے میں آرہا ہے کہ ہماری جو پچھلی نسل ہے، اس پر مغرب کے اثرات زیادہ ہیں۔ اب جبکہ دینی جماعتوں اور تحریکوں کے ذریعے دین کا چرچا متوسط طبقے میں بڑھ گیا ہے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ نوجوان لڑکوں کے چہروں پر تو داڑھیاں ہیں، لیکن ان کے والد اور دادا کلین شیو نظر آتے ہیں۔ یہ الٹی گنگا اس لیے بہہ رہی ہے کہ اس نوجوان نسل پر تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور دیگر دینی تحریکوں کے اثرات پڑے ہیں، جبکہ پچھلی نسل ان اثرات سے عاری ہے۔ اسی طرح اب نوجوان نسل کے اندر ایسی لڑکیوں کی تعداد زیادہ نظر آتی ہے جو ستر وحجاب کی پابندی کرنا چاہتی ہیں، لیکن ان کے والدین کے ہاں یہ تصور نہیں ہے۔ تو ان کے لیے اپنے والد، بھائیوں اور دیگر محرموں کو تبلیغ کرنا اور اُن کو صحیح راستے کی طرف بلانا مقدم ہے۔ عورتوں کے لیے یہ دعوت تبلیغ کا تیسرا میدان ہے۔

بعض دینی حلقوں کے زیر اثر خواتین الیکشن کے دنوں میں کنویسنگ کے لیے گھر گھر جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی کے پیش نظر یہ ہو کہ اسلام الیکشن کے ذریعے سے غالب ہوگا، تو اسے اس کے وسیع پیمانے پر رابطہ کرنے کے لیے گھر گھر جانا ہوگا۔ چنانچہ نوجوان لڑکیاں اور خواتین گھر گھر جا کر ووٹوں کے لیے رابطہ کرتی ہیں۔ اگرچہ وہ یہ کام پردے کے ساتھ کرتی ہیں، جو اپنی جگہ قابل تعریف بات ہے، لیکن نوجوان بچیوں کا اس طرح اجنبی گھروں میں جانا بڑی نامناسب بات ہے، کیونکہ ہمارا دین خواتین کو اجنبی عورتوں کے ساتھ میل جول سے بھی منع کرتا ہے۔ مسلمان خواتین کے لیے اجنبی عورتیں بھی محرم نہیں ہیں۔ کیونکہ سورۃ النور میں محرموں کی جو فہرست آئی ہے اس میں ''وَنِسَآئِهِنَّ'' بھی فرمایا گیا ہے۔ یعنی اپنی عورتیں، جانی پہچانی عورتیں، معروف عورتیں جن کے کردار کے بارے میں معلوم ہے کہ شریف خواتین ہیں، ورنہ ہوسکتا ہے کہ کوئی اجنبی عورت جو گھر میں چلی آرہی ہو کسی بری نیت سے آرہی ہو۔ تو اسلام کی رُو سے اجنبی عورتوں کو اپنے گھروں میں بھی اس طرح بے محابا داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کجا یہ کہ مسلمان نوجوان لڑکیاں ہر طرح کے گھروں میں جائیں۔ اس میں یقیناً بہت سے فتنے اور خطرات موجود ہیں۔ بہرحال اس حلقے کے پیش نظر چونکہ انتخابی طریق کار ہی ہے تو شاید انہوں نے اس کے لیے اس طرح سے گھر گھر رابطہ ناگزیر سمجھ لیا ہو، مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی اس معاشرے کے اندر بہت بڑی ذہنی، فکری اور اخلاقی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ایک ''حزب اللہ'' کو وجود میں لانے کے لیے ابھی بڑی محنت کی ضرورت ہے اور اس کے لیے میں نے مسلمان خواتین کے تین دائرہ ہائے کار بتا دیئے ہیں۔ اگر کبھی ہنگامی حالات پیدا ہو جائیں تو ان میں یقیناً احکام کچھ مختلف ہوسکتے ہیں، اور میں ابھی اس کے بارے میں بھی عرض کروں گا، لیکن اِس وقت کے جو حالات ہیں ان میں دعوت وتبلیغ کے ضمن میں ایک مسلمان خاتون کے لیے یہی تین دائرے ہیں۔

(iii) تیسری منزل: اقامت دین کی جدوجہد اور خواتین

اب آیئے تیسری منزل کی طرف۔ یہ اقامت دین، اسلامی انقلاب یا تکبیر رب کی منزل ہے۔ اس سطح پر ایک ایسی منظّم جماعت کی تشکیل ناگزیر ہے جس کی حیثیت ایک بنیانِ مرصوص کی ہو اور جو باطل نظام کی تبدیلی کے لیے نہ صرف یہ کہ ایک عوامی

تحریک برپا کر سکے، بلکہ قتال فی سبیل اللہ کے کٹھن اور جاں گسل مراحل سے گزرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہو۔ لیکن یہ وہ ذمہ داری ہے جس سے انتہائی ناگزیر حالات اور ہنگامی صورت حال کے سوا اللہ نے خواتین کو بری کیا ہے۔ اس ضمن میں بعض خواتین و حضرات کو شاید مغالطہ ہو جاتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خواتین نے بھی ہجرت کی ہے، اور اس راہ میں خواتین کی گردنیں بھی کٹی ہیں۔ مثلاً حضرت سمیہؓ نے اپنے شوہر حضرت یاسرؓ کے ساتھ جان قربان کی ہے، اور حضرت رقیہؓ نے اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ تو چونکہ جان کا نذرانہ دینا اور ہجرت کرنا صحابیاتؓ سے ثابت ہے، لہٰذا خواتین کو بھی اللہ کی راہ میں سربکف نکلنا چاہئے۔ اس استدلال میں جو مغالطہ ہے اسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اصل میں ان خواتین صحابیات
کی ہجرت اور شہادت کی نوعیت پہلی منزل کے تتمہ کی تھی۔ کیونکہ اگر ایمان پر گردن کٹتی 1
ہو، جو اسلام کی پوری عمارت کی جڑ اور بنیاد ہے تو مسلمان خاتون بھی مسلمان مرد کی طرح اپنی گردن کٹوائے گی اور یہاں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ حضرت سمیہؓ نے توحید کی بنیاد پر جان دی۔ ابوجہل دباؤ ڈال رہا تھا کہ توحید سے برگشتہ ہو جاؤ اور شرک کی روش اختیار کرو، میرے معبودوں کی بھی کچھ نہ کچھ الوہیت تسلیم کرو۔ حضرت سمیہ اور ان کے شوہر حضرت یاسرؓ نے اس سے انکار کیا اور دونوں شہید کر دیئے گئے۔ لیکن یہ بجائے خود ''قتال فی سبیل اللہ'' اور میدان میں آ کر باطل سے پنجہ آزمائی کا مرحلہ نہیں ہے، بلکہ انہوں نے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے ہر جبر و تشدد کو برداشت کیا، حتیٰ کہ اپنی جان قربان کر دی۔ اور آج بھی اگر کسی مؤمنہ مسلمہ خاتون کے لیے ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ اسے کفر اختیار کرنے یا جان کا نذرانہ دینے میں سے ایک بات کا انتخاب کرنا پڑے تو اس کے لیے عزیمت کی راہ یہی ہے کہ وہ کفر اختیار کرنے کی بجائے اپنی جان قربان کر دے، اگرچہ اسلام نے رخصت کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت بھی دی ہے کہ اگر دل میں کفر کا شائبہ پیدا نہ ہو تو کلمۂ کفر کہہ کر جان بچائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت سمیہؓ اور حضرت یاسرؓ کے صاحبزادے عمارؓ نے یہی کیا تھا کہ وقتی طور پر کلمۂ کفر کہہ کر جان بچالی۔ اور یہ واقعتاً بڑی عجیب بات ہے کہ بوڑھے والدین نے عزیمت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے جان دے دی اور کلمۂ کفر ادا نہیں کیا۔ اور یہ عزیمت بالکل مختلف چیز ہے۔ یہ جہاد و قتال میں گردن کٹوانا نہیں ہے، بلکہ ایمان پر قائم رہنے کے لیے جان کی بازی لگا دینا ہے۔ اسی طرح ہجرت کا معاملہ ہے کہ جہاں دین پر قائم رہنا ممکن نہ رہے، وہاں سے ہجرت کر جانا مسلمان مرد و عورت دونوں کے لیے لازم ہے۔ چنانچہ حضرت رقیہؓ حضرت اُم حبیبہؓ اور دیگر خواتین نے اپنے محرموں کے ساتھ ہجرت کی، کیونکہ مکہ میں رہتے ہوئے ان کے لیے توحید پر قائم رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ بہرحال یہ وہ باتیں ہیں جو مسلمان مرد و عورت دونوں کے لیے ضروری ہیں اور اس سلسلے میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی بات ہے جو سورۂ آلِ عمران کی آیت 190 ہے:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ
ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۵ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۵ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا
وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۵﴾

ان تمام افعال میں مرد و خواتین برابر کی شریک ہیں۔ مردوں کی طرح خواتین کو بھی اللہ کے راستے میں ایذائیں پہنچائی گئیں، انہیں ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور انہیں ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے ہجرت بھی کی اور توحید پر قائم رہنے کے لیے اپنی گردنیں بھی کٹوائیں...... لیکن دوسری طرف محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے عرب میں جو انقلابی تحریک برپا کی اور جس طرح جہاد و قتال کے مراحل طے کیے اس میں خواتین کہیں شریک نظر نہیں آتیں۔ اس ضمن میں میں نے جو چند باتیں نوٹ کی ہیں، وہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

حضور ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد جو آٹھ مہمیں بھیجی ہیں، ان میں کسی خاتون کا

کوئی تذکرہ تک موجود نہیں۔ اللہ کی راہ میں سب سے پہلی باقاعدہ جنگ غزوۂ بدر ہے، جسے قرآن ''یوم الفرقان'' سے تعبیر کرتا ہے، اور اس کی تمام تفاصیل کتب حدیث و سیرت میں موجود ہیں۔ اس میں کسی خاتون کی شرکت کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اب ہمیں یہیں سے تو سمجھنا ہے کہ دین کا مزاج کیا ہے اور دین کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریاں کیا ہیں؟ دین کا ہم سے مطالبہ کیا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ جہاد و قتال کے ضمن میں خواتین کی کچھ ایسی ذمہ داریاں ہوتیں جو حضورؐ ہمیں نہ بتاتے؟ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ! آپؐ اگر ایسا کرتے تو اللہ کے ہاں آپؐ کی بہت سخت مسؤلیت ہو جاتی۔ تو ہمیں یہ معروضی طور پر (Objectively) سمجھنا ہے کہ خواتین کی ذمہ داریاں کیا ہیں، نہ کہ خود اپنی طرف سے کچھ اضافی ذمہ داریاں عائد کرنا ہیں۔ صرف غزوۂ اُحد میں خواتین کی میدان جنگ میں موجودگی کا ذکر ملتا ہے، جبکہ انتہائی ایمرجنسی کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ مدینہ منورہ میں ستر صحابہ کرامؓ کی شہادت کی اطلاع پہنچی تھی اور اس کے ساتھ یہ خبر بھی اڑ گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ بھی شہید ہو گئے ہیں۔ اس پر پورے مدینے کے اندر ایک کہرام مچ گیا تھا۔ یہ معرکہ مدینے سے ڈھائی تین میل کے فاصلے پر ہو رہا تھا۔ چنانچہ کچھ خواتین والہانہ انداز میں دامن اُحد کی طرف دوڑیں اور انہوں نے زخمیوں کو پانی بھی پلایا اور ان کی مرہم پٹی وغیرہ بھی کی۔ یہ ایک بالکل ہنگامی صورت حال اور استثنائی کیفیت تھی۔ اس طرح کی استثنائی ہنگامی صورت حال اب بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ فرض کیجئے کہ لاہور پر حملہ ہو جائے اور یہاں پر گھر گھر مورچے لگا کر جنگ کرنی پڑے تو ظاہر بات ہے کہ خواتین بھی شریک ہو جائیں گی اور وہ اس ملک کے تحفظ اور دفاع کے لیے اپنے مردوں کا ساتھ دیں گی۔ تو غزوۂ احد کے بارے میں یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ وہاں ایک انتہائی ہنگامی صورت حال پیدا ہو گئی تھی جس کی بناء پر خواتین کو اس میں شریک ہونا پڑا۔ اس کے علاوہ ایک ضروری بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ غزوۂ احد تک ابھی حجاب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب میں، جو شدید ترین آزمائش کا مرحلہ تھا اور جس کے بارے میں قرآن مجید میں:

﴿ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْدًا ﴾ (الاحزاب)

''اور بڑی شدت سے ہلا ڈالے گئے!''

کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، کوئی خاتون محاذِ جنگ پر نہیں آئیں۔ بلکہ وہاں خواتین کو ایک بڑی حویلی کے اندر جمع کر دیا گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک یہودی مشتبہ حالت میں ادھر آ رہا تھا تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خیمے کی چوب نکال کر اسے ضرب لگا کر مار دیا۔ یاد رہے کہ حجاب کا حکم اولاً سورۃ الاحزاب میں آیا ہے جو غزوۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی ہے، جبکہ سورۃ النور مزید ایک سال بعد ۶ھ میں نازل ہوئی۔

۷ھ میں غزوۂ خیبر پیش آیا۔ اس غزوہ سے متعلق یہ واقعہ کتب حدیث میں موجود ہے، جس سے غزوۂ خیبر میں خواتین کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ اس واقعے کو امام احمدؒ نے اپنی مسند اور امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

> ''حشرج بن زیادؒ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آنحضور ﷺ کے ساتھ پانچ خواتین کے ہمراہ باہر نکلیں، جن میں چھٹی وہ خود تھیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب حضور ﷺ کو ہمارے نکلنے کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ہمیں بلوایا۔ جب ہم حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ کو غضبناک پایا۔ آپؐ نے پوچھا: تم کس کے ساتھ نکلی ہو اور کس کی اجازت سے نکلی ہو؟ ہم نے عرض کیا: ہم اون کاتیں گی اور کچھ اللہ کی راہ میں کام کریں گی۔ ہمارے پاس کچھ مرہم پٹی کا سامان بھی ہے۔ ہم (مجاہدین کو) تیر پکڑا دیں گی، انہیں ستو گھول کر پلا دیں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اٹھو، واپس چلی جاؤ! پھر جب اللہ نے خیبر فتح کرا دیا تو حضور اکرم ﷺ نے (مال غنیمت میں سے) ہمارے لیے بھی مردوں کی طرح حصہ نکالا۔
> حشرج کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: دادی جان! (مال غنیمت میں سے) کیا چیز ملی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا: کچھ کھجوریں!''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ان خواتین سے یہ استفسار کہ تم کس کے ساتھ

نکلی ہو اور کس کی اجازت سے نکلی ہو، بہت اہم ہے۔ اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ کوئی خاتون اگر کہیں باہر نکلتی ہے تو سب سے پہلے اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ اس کے ساتھ محرم ہے یا نہیں؟ سیرت کا یہ اہم واقعہ ہماری خواتین کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

مزید برآں ''الاستیعاب'' میں منقول حضرت اسماء بنت یزید (رضی اللہ عنہا) کا واقعہ بھی اس ضمن میں بہت اہم ہے۔ ہمارے ہاں بہت سی خواتین میں جب دینی جذبہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی حدود سے تجاوز کر جاتی ہیں۔ اور یہ خواتین خود دین کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کی رعایت نہ رکھتے ہوئے اپنی گھریلو ذمہ داریوں میں کوتاہی کرتے ہوئے، اور بچوں کی پرورش کے فریضے کو پامال کرتے ہوئے دین کا کام کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی خواتین کے لیے سیرت کا یہ واقعہ نہایت فیصلہ کن اور سبق آموز ہے۔ حضرت اسماءؓ بنت یزید ایک انصاریہ خاتون ہیں اور یہ مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل h کی پھوپھی زاد بہن ہیں، جن کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

((اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلاَلِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَل))

ان کے متعلق روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ وہ سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرتی ہوں اور سب وہی رائے رکھتی ہیں جو میں آپؐ کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔ عرض یہ ہے کہ:

> ''آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپؐ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپؐ کی پیروی کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والیاں اور گھروں کے اندر بیٹھنے والیاں ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش پوری کر لیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ و جماعت، جنازہ و جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے۔ وہ جب جہاد پر جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں۔ تو کیا اجر میں بھی ہم کو ان کے ساتھ حصہ ملے گا؟''

آنحضور ﷺ نے ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

> ''کیا آپ لوگوں نے اس سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے، جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟''

تمام صحابہؓ نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ نہیں یا رسول اللہ ﷺ! اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

> اے اسماء! میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تمہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان تک میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں۔''

حضرت اسماءؓ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس لوٹ گئیں اور انہوں نے اس پر کسی انقباض کا اظہار نہیں کیا۔

اس واقعے میں ہماری خواتین کے لیے یہ سبق ہے کہ ہماری محنت و کوشش کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ہم اللہ کے ہاں اپنی ذمہ داریوں سے بریٔ الذمہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اگر ایک ذمہ داری ڈالی ہی نہیں تو خواہ مخواہ اپنے اوپر اس ذمہ دای کا بوجھ لا دلینا اپنی جان پر ظلم کے مترادف ہے، اور یہ ایسا طرز عمل ہے جس کے جواب میں اللہ کی طرف سے نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی والا معاملہ پیش آ سکتا ہے۔ یعنی کوئی شخص اگر کسی ایسی ذمہ داری کو اختیار کر لے جو اس پر عائد نہیں کی گئی تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اسے اس ذمہ داری کے حوالے کر دیتا ہے اور پھر اس میں اللہ کی مدد، نصرت اور تائید شامل حال نہیں ہوتی۔ اور آدمی اگر حد سے تجاوز کر جائے تو اندیشہ ہے کہ '' وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا '' کے الفاظ کے مطابق جنت کی طرف جانے کے بجائے جہنم کی طرف پیش

قدمی ہو جائے۔ لہٰذا اس طرزِ عمل سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فریضۂ اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد مردوں پر فرض کی ہے اور عورتوں پر بھی یہ ذمہ داری براہ راست عائد نہیں کی۔ البتہ خواتین سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اس جدوجہد میں اپنے مردوں کی معین و مددگار رہوں۔ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو اپنی ذمہ داری سمجھیں اور مردوں پر اس کا زیادہ بوجھ نہ پڑنے دیں۔ وہ مردوں کے لیے اس راہ میں زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کرنا ممکن بنائیں۔ اُن پر اپنی فرمائشوں کا بوجھ اس طرح نہ لاد دیں کہ وہ انہی مسائل میں الجھ کر رہ جائیں اور دین کی سربلندی کے لیے جہد وکوشش نہ کرسکیں۔ خواتین اگر ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے شوہروں سے تعاون کریں تو یہ ان کی طرف سے اقامت دین کی جدوجہد میں شرکت کا بدل بن جائے گا اور ان کے لیے اجر کثیر اور ثواب عظیم کا باعث ہوگا۔ اور خواتین کے لیے اس سے بڑھ کر خوش آئند بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ انہیں گھر بیٹھے بٹھائے مردوں کے برابر اجر و ثواب مل جائے!!

مردوں اور خواتین کی بیعت کا فرق

مردوں اور عورتوں کے دینی فرائض کے ضمن میں ایک اہم فرق بیعت کا ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ آنحضور ﷺ نے اقامتِ دین کے لیے، ہجرت سے متصلاً قبل سمع و طاعت کی جو بیعت لی وہ صرف مردوں سے لی، جو بہت سخت بیعت ہے۔ یہ ’’بیعت عقبۂ ثانیہ‘‘ کہلاتی ہے‘ جس میں ہر حال میں امیر کے حکم کی پابندی کا عہد ہے، جسے ’’فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ‘‘ کے الفاظ سے واضح کیا گیا ہے۔ یعنی خواہ تنگی ہو، خواہ آسانی اور خواہ طبیعت اس کے لیے آمادہ ہو، خواہ طبیعت پر جبر کرنا پڑے۔ پھر اس میں درجہ بدرجہ تمام امراء کے حکم کی پابندی کرنا بھی شامل ہے۔ یہ چیزیں واقعتاً بہت سخت اور نفس پر بڑی شاق گزرنے والی ہیں، لیکن وہ منظّم جماعت جسے اسلامی انقلاب کے لیے جدوجہد کرنا ہو اور جہاد و قتال کے مراحل سے گزرنا ہو، وہ ان کے بغیر قائم نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی ہیں ان میں اصل زور نظم جماعت پر ہے اور اس کے ضمن میں ’’سمع و طاعت‘‘ کی مثبت تاکید کے ساتھ ساتھ منفی انداز میں ان تمام رخنوں کا سدباب بھی کر دیا گیا ہے جو نفسیاتی یا ’’نفسانی‘‘ وجوہات کی بنا پر پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک خواتین کی بیعت کا تعلق ہے تو اگرچہ بیعت عقبہ ثانیہ کے ضمن میں تو نہ صراحتاً مذکور ہے کہ وہ اس بیعت میں شریک نہیں تھیں، نہ ہی یہ کہ ان سے کوئی جداگانہ بیعت لی گئی ہو (حالانکہ اس موقع پر دو خواتین کی موجودگی قطعی طور پر ثابت ہے!) البتہ قرآن و سنت میں خواتین کی جو بیعت مذکور ہے وہ دراصل نیکی اور تقویٰ کی بیعت ہے، جو کفر و شرک، برائیوں، حرام کاموں، جھوٹ، چوری، زنا اور تہمت و بہتان طرازی کے ساتھ ساتھ آنحضور ﷺ کی نافرمانی سے ’’اجتناب‘‘ کے عہد پر مشتمل ہے اور اس کے الفاظ تقریباً وہی ہیں جو ’’بیعت عقبہ ثانیہ‘‘ سے ایک سال قبل منعقد ہونے والی ’’بیعت عقبہ اولیٰ‘‘ کے ضمن میں وارد ہوئے ہیں، جو یثرب کے بارہ مسلمان مردوں سے لی گئی تھی...... اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ’’جماعتی نظم‘‘ کی پابندی کے معاملے میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داری یکساں اور برابر نہیں ہے اور اس کا براہ راست تعلق ہے اس حقیقت سے کہ فرائض دینی کی تیسری اور بلند ترین منزل یعنی اقامتِ دین اور اعلاء کلمتہ اللہ کی جدوجہد میں خواتین کی ذمہ داری براہ راست نہیں، بالواسطہ ہے! (واضح رہے کہ ہمارے یہاں صوفیاء کے حلقوں میں جو ’’بیعت ارشاد‘‘ رائج ہے وہ بھی دراصل اسی ’’بیعت عقبہ اولیٰ‘‘ یا ’’بیعت النساء‘‘ سے مشابہ ہے، اور اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ان کے یہاں بالعموم اقامت دین کی فرضیت کا تصور موجود نہیں ہے!)

جماعتی زندگی...... دونوں کے لیے ضروری!

اس سبب کے باوجود جہاں تک ایک جماعتی زندگی کا تعلق ہے، اس کے بارے

میں میرا احساس یہ ہے کہ جس طرح یہ مردوں کے لیے ضروری ہے اسی طرح خواتین کے لیے بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ جماعتی زندگی میں ایک برکت ہے۔ اس سے نیکی و بھلائی کا ماحول پیدا ہوتا ہے اور دوسرے ساتھیوں کو اچھے کاموں اور نیکیوں میں آگے بڑھتے دیکھ کر اپنا حوصلہ بھی بڑھتا ہے۔ جب آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے کسی رفیق یا رفیقہ نے اپنے گھر میں ہونے والے کسی غلط کام کو ترک کر دیا ہے یا ترک کروا دیا ہے تو آپ میں بھی ایسا کرنے کا جذبہ اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جماعتی زندگی کی برکتوں اور فوائد سے عورتوں کو بھی محروم نہیں رکھا گیا۔ اس کے لیے التوبہ کی آیت ۷۱ کا مطالعہ کیجیے۔ فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

''مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے۔''

اور یہ جماعتی ماحول کی برکات ہی کا مظہر ہے کہ حضور ﷺ نے خواتین سے بھی بیعت لی۔ نتیجتاً خواتین میں بھی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ ہم ایک اجتماعیت میں شریک ہیں، ہمارا کسی کے ساتھ کوئی ربط و تعلق ہے، ہمیں ان کے احکامات سن کر ان پر عمل کرنا ہے، نیکی کے کام بجا لانے ہیں، کیونکہ ہم نے قول و قرار کیا ہے۔ اس سے خود احتسابی کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اب اگر ہم یہ کام نہیں کر رہے تو گویا اپنے عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

چنانچہ ہم نے بھی تنظیم اسلامی میں خواتین کا ایک حلقہ رکھا ہے اور ہمارے ہاں ان کی بیعت کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ ہماری تمام تر خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ ہم تمام معاملات میں کتاب و سنت سے اور اسوۂ رسول ﷺ کی عملی مثالوں سے حتی الامکان قریب ترین رہنے کی کوشش کریں۔ جس طرح حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل h سے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

''میرے قریب آ جاؤ۔''

پھر فرمایا:

''میرے اور قریب آ جاؤ!''

تو اسی طرح ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ حضور ﷺ کا جو طریقہ و اسوہ تھا اس سے قریب سے قریب تر رہنے کی امکانی کوشش جاری رکھیں۔ لہٰذا ہم نے اقامتِ دین اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے لیے جو تنظیم اسلامی قائم کی ہے اس میں جہاں تک منکرات سے اجتناب اور اقامت دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد و انفاق کے ضمن میں سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۱ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ''بیع'' کا معاملہ ہے اس میں تو مردوں اور عورتوں سب کو شامل کیا گیا ہے۔ البتہ ''سمع و طاعت فی المعروف'' کے نظم کی پوری شدت کے ساتھ پابندی کی ''بیعت'' جس کے الفاظ متفق علیہ حدیث سے ماخوذ ہیں، صرف مردوں کے لیے رکھی گئی ہے، جبکہ خواتین کے لیے بیعت کے وہی الفاظ اختیار کئے گئے ہیں جو سورۂ ممتحنہ کی آیت نمبر ۱۲ میں وارد ہوئے' اور جن میں نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا ذکر اوّلاً تو ''سمع و طاعت'' کے مثبت اسلوب میں نہیں بلکہ صرف اس منفی انداز میں ہے کہ ''آپؐ کی نافرمانی نہیں کریں گی'' اور ثانیاً، یہاں خود نبیؐ کی اطاعت کے ضمن میں بھی ''معروف'' کی قید کا اضافہ غمازی کر رہا ہے کہ جس قسم کا چاق و چوبند نظم مردوں سے مطلوب ہے خواتین کا معاملہ اس درجہ کا نہیں۔ البتہ خواتین کی تنظیم میں شمولیت اور بیعت اس لیے ضروری ہے کہ اس سے ان میں ایک تنظیم اور اجتماعیت کا شعور اور مسؤلیت و ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے، جو فی نفسہٖ مطلوب ہے، تاہم جیسا

کہ میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں، اقامتِ دین کی جدوجہد میں ان کی ذمہ داریاں مردوں کی ذمہ داریوں سے بہت مختلف ہیں اور فرائض دینی کی اس تیسری بلند ترین منزل پر ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، وہ بالواسطہ ہیں۔ وہ اگر اس سطح کی جدوجہد میں اپنے آپ پر خواہ مخواہ ایسی ذمہ داریاں عائد کر لیتی ہیں جن کا اللہ نے انہیں مکلّف نہیں ٹھہرایا تو اس سے اندیشہ ہے کہ بجائے خیر کے کوئی شر پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس طرزِ عمل سے محفوظ رکھے اور ان ذمہ داریوں کو کما حقہ، ادا کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے جو اس نے ہم پر عائد کی ہیں!

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○